60

اِتّفاق و اتّحاد کی ضرورت

فرمودہ یکم جون ۱۹۱۷ء

تشہد و تعوذ کے بعد سورۃ فاتحہ کی تلاوت کر کے فرمایا :-

کوئی نعمت کوئی فضیلت کوئی رحمت اور کوئی احسان خداتعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں پر نازل نہیں ہوتا کہ اس کے ساتھ ان کا کام اور ان کی ذمہ داری بھی نہیں بڑھ جاتی۔ خداتعالیٰ کی نعمتیں اور احسان ہی ایک ایسی چیز ہیں کہ جو انسان کے کندھوں کو فرائض کے بوجھ سے خم کر دیتی ہیں۔ ایک دانا اور عقلمند انسان تو اس بوجھ کو سمجھتا ہے۔ لیکن ایک نادان کی نظر نعمت اور انعام کی طرف تو ہوتی ہے۔ مگر بوجھ کی طرف نہیں دیکھتا۔ ایک بڑے بزرگ کی نسبت لکھتے ہیں ان کو کسی جگہ کا قاضی مقرر کیا گیا۔ اسلام میں قاضی ایسے ہی ہوتے تھے جیسے آجکل جج ہوتے ہیں۔ اور یہ ایک بہت معزز عہدہ چلا آیا ہے۔ اور اب بھی معزز ہی ہے۔ ان کے قاضی مقرر ہونے پر ان کے دوست آشنا جمع ہوئے۔ کہ انہیں مبارکباد دیں۔ لیکن جب ان کے پاس آئے۔ تو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ اور روتے روتے گھگی بندھی ہوئی ہے۔ دیکھ کر حیران ہو گئے۔ اور کہا ہم تو آپ کے پاس اس لئے آئے تھے۔ کہ آپ کو قاضی مقرر ہونے پر مبارکباد دیں۔ مگر آپ رو رہے ہیں۔ کیا کوئی ایسا سانحہ ہوا ہے جس کی تکلیف سے آپ رو رہے ہیں۔

اس بزرگ نے کہا۔ کیا قاضی مقرر کئے جانے سے بڑھ کر بھی کوئی ایسا واقعہ ہو سکتا ہے جس پر مَیں روؤں۔ انہوں نے کہا یہ تو خوشی کا مقام ہے نہ کہ رونے کا۔ بزرگ نے کہا تمہیں کیا معلوم؟ یہی تو رونے کا مقام ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ مجھ پر ایک انعام ہوا ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ ساتھ ہی مجھ پر ایسی ذمہ داری بھی عائد کی گئی ہے جس کو مَیں اٹھا نہیں سکتا۔ دیکھو مَیں عدالت میں جاؤں گا۔ لوگوں کے جھگڑے میرے پاس فیصلہ کے لئے آئیں گے۔ اور باوجود اس کے کہ جھگڑنے والے مجھ سے زیادہ جھگڑے کی حقیقت سے واقف ہوں گے مجھے اس کا فیصلہ کرنا پڑے گا۔ ایک شخص آ کر کہے گا۔ فلاں نے میرا اتنا روپیہ دینا ہے۔ دلوائیے لیکن دوسرا کہے گا۔ مجھے اس کا کوئی روپیہ نہیں دینا۔ اب روپیہ لینے والا جانتا ہے کہ وہ اپنے

دعوے میں سچا ہے یا جھوٹا۔ یعنے اسے روپیہ لینا ہے یا نہیں لینا۔ مگر میرے سامنے آ کر یہی کہتا ہے کہ لینا ہے۔ اسی طرح مدعا علیہ جانتا ہے کہ اس نے روپیہ دینا ہے یا نہیں دینا اور سچا ہے یا جھوٹا۔ لیکن میرے سامنے انکار ہی کرتا ہے۔ اب باوجود اس کے کہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں اصل معاملہ سے واقف ہیں۔ مدعی خوب جانتا ہے کہ اُسے روپیہ لینا ہے یا نہیں۔ اسی طرح مدعا علیہ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اسے روپیہ دینا ہے یا نہیں۔ لیکن دونوں جھگڑتے ہیں اور کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ ان کا فیصلہ کرنے کے لئے مجھے مقرر کیا جاتا ہے۔ جسے ان کے لین دین کے متعلق کچھ بھی واقفیت نہیں ہے۔ بتاؤ یہ رونے کا مقام ہے یا نہیں۔ یہ کہکر ان کی چیخیں نکل گئیں۔ اور رونے لگ گئے۔

یہ صرف ان قاضی صاحب ہی کی بات نہیں ہے۔ بلکہ ہر کام اور ہر محکمہ کا انسان اگر دیکھے تو اسے معلوم ہو جائے۔ کہ جس قدر مجھ پر انعامات ہو رہے ہیں۔ اسی قدر میری ذمہ داریاں بھی بڑھ رہی ہیں۔ اور مجھ پر بوجھ رکھا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ سورۃ فاتحہ الحمد للہ سے شروع ہوتی اور ضالین پر ختم ہوتی ہے۔ ایک ظاہر بین انسان تو یہی کہے گا۔ کہ جب الحمد للہ سے شروع ہوئی ہے تو ختم بھی الحمد پر ہی ہونا چاہیئے تھی۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ضالین پر ختم ہوتی ہے۔ جس کی وجہ یہی ہے کہ ہر انعام جو خدا تعالیٰ کی طرف سے انسانوں پر ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ان کی ذمہ داری بھی بڑھ جاتی ہے۔ لیکن بہت ہوتے ہیں۔ جو انعام ہونے کے وقت ذمہ داری کو نہیں سمجھتے۔ اس لئے ٹھوکر کھا کر کہیں کے کہیں نکل جاتے ہیں۔ گویا ان کے لئے انعام ٹھوکر کا موجب بن جاتا ہے۔ شبلیؒ ایک مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ وہ جنید بغدادی کے جو صوفیا کے گویا باپ تھے۔ شاگرد تھے۔ وہ ایک علاقہ کے گورنر تھے۔ کسی غرض کے لئے جس طرح حکام اپنے بالادست افسروں کے پاس مشورہ کے لئے آتے ہیں وہ بھی ایک دفعہ بادشاہ کے پاس آئے۔ اور جس مجلس میں آپ بادشاہ کے پیش ہوئے۔ اُسی میں ایک ایسا شخص بھی پیش ہوا۔ جس نے لڑائی میں بڑی بہادری دکھلائی اور بڑی خدمت کی تھی جس کے صلہ میں اُسے خلعت دیا جانا تھا۔ بادشاہ نے اُسے ایک نہایت بیش قیمت خلعت پہنایا۔ اتفاقاً اسے ریزش کی شکایت تھی۔ چھینک جو آئی تو ناک سے رطوبت بہہ گئی۔ بدقسمتی سے وہ رومال لانا بھول گیا تھا۔ اور اپنے کپڑے نیچے پہنے ہوئے تھے۔ جن کے اُوپر خلعت تھا۔ اس لئے گھبراہٹ اور جلدی سے کہ اگر بادشاہ نے رطوبت دیکھ لی۔ تو ناراض ہوگا۔ خلعت سے ہی پونچھ دی۔ بادشاہ کی نظر اس پر جا پڑی۔ سخت ناراض ہو کر حکم دیا کہ اس کا خلعت اُتار لو اور باہر نکال دو۔ کہ اس نے میرے دئے ہوئے خلعت کی ہتک کی ہے۔ اس واقعہ کو دیکھ کر شبلی کی چیخ نکل گئی اور بادشاہ کو کہا کہ میرا استعفاء قبول کیجئے۔ بادشاہ نے پوچھا۔ تمہیں کیا ہوا ہے۔ تم کیوں استعفاء دیتے ہو۔ انہوں نے کہا۔ اس شخص نے آپ کی خدمت

بڑی جاں نثاری کے ساتھ کی ہے۔ جس کی بدلہ آپ اسے جو کچھ بھی دیتے تھوڑا تھا۔ لیکن آپ نے ایک خلعت پہنایا۔ جو اگرچہ اس کی خدمت اور کام کے نتیجہ میں ہی تھا۔ مگر باوجود اس کے ادب ملحوظ نہ ہونے کی وجہ سے جب اس نے منہ پونچھ لیا تو آپ نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ حالانکہ اگر وہ منہ نہ پونچھتا تو بھی اس کے ساتھ اسی قسم کا سلوک کیا جاتا۔ لیکن مجھے جو خدا تعالیٰ نے خلعت عطا فرمائی ہے وہ میرے کسی فعل کے نتیجہ میں نہیں ہے۔ بلکہ محض اس کے فضل سے ہے۔ اس لئے میں اگر اس کی قدر نہ کروں گا تو کس قدر سزا کا مستحق ہوں گا۔ پس میں آپ کی ملازمت سے باز آیا تو وہ اس طرح استعفاء دے کر اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جنید کے پاس چلے گئے اور ان کے شاگردوں میں داخل ہو گئے [1]۔

تو انعام کے ساتھ ذمہ داری بھی بہت بڑھ جاتی ہے۔ ہماری جماعت جو خدا تعالیٰ کے خاص فضل اور رحم کے ماتحت قائم ہوئی ہے۔ اس کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ خوب یاد رکھے کہ ہر انعام کے ساتھ ایک ذمہ داری بھی ہوتی ہے۔ اور پھر وہ انعام جو ہم پر ہوا ہے۔ وہ چونکہ بہت ہی عظیم الشان ہے اس لئے ہماری ذمہ داری بھی بہت زیادہ اور بہت بڑھی ہوئی ہے۔ ہمیں وہ زمانہ نصیب ہوا ہے جس کے دیکھنے کی خواہش اور آرزو بڑے بڑے بزرگ اپنے ساتھ لے گئے۔ پس جہاں یہ بہت بڑا انعام ہم پر ہوا ہے۔ وہاں ساتھ ہی بہت بڑی ذمہ داریاں بھی ہم پر عائد ہو گئی ہیں۔ اس لئے ہمیں اپنے قول اپنے فعل اپنی رفتار اپنی گفتار میں بہت احتیاط کرنی چاہیئے۔ تاکہ کسی کی ٹھوکر کا موجب ہو کر جماعت کو نقصان نہ پہنچائیں ہمیں ساری دنیا کے لوگوں کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے جو دنیاوی ساز و سامان کے لحاظ سے ہر طرح بڑھے ہوئے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں ہماری مٹھی بھر جماعت ہے۔ کروڑوں کی تعداد میں ہندو۔ عیسائی۔ یہود اور غیر احمدی موجود ہیں۔ پھر ان کے پاس ہر قسم کے سامان ہیں۔ اور ہمارے پاس ان سب کی کمی ہے۔

ایک مثال ہے کہ بیا اُلٹا سوتا ہے۔ کسی نے اُس سے پوچھا کہ اس طرح کیوں سوتے ہو۔ اس نے کہا اس لئے سوتا ہوں کہ اگر آسمان گر پڑے۔ تو اُسے اپنی ٹانگوں پر اٹھائے رکھوں۔ اور لوگوں کو مرنے سے بچالوں۔ یہ مثال اس وقت بیان کی جاتی ہے جبکہ کوئی معمولی آدمی کسی بڑی ذمہ داری کو اُٹھانے کا مدعی ہوتا ہے۔ یہ مثال غلط ہے یا صحیح۔ مگر ہمارا حال واقعہ میں دنیاوی رنگ میں یہی ہے۔ وہ ضلالت اور گمراہی کا سمندر جو سب کو بہائے لئے جا رہا ہے۔ اس کے روکنے کے لئے ہم کھڑے ہوئے ہیں۔ پس جہاں پہلے ہی یہ حالت ہو۔ وہاں اگر آپس میں نا اتفاقی اور فتنہ ہو تو پھر کس قدر رنج اور افسوس کا مقام ہے۔

آپ لوگوں کو خوب معلوم ہے۔ کہ خطرات کے وقت دشمن اور دوست بھی ایک ہو جاتے ہیں۔ اسی

---

[1] :۔ نیا تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۳۴ و صفحہ ۳۵ ۔

جنگ میں دیکھو۔ فرانس۔ روس اور انگلینڈ ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو لڑ رہے ہیں۔ حالانکہ ان میں مدتوں سے رنجشیں چلی آرہی تھیں۔ اب یہ کیوں اکھٹے ہو گئے ہیں۔ اس لئے کہ ایک عظیم الشان خطرہ سے انہیں مقابلہ آپڑا ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے۔ تو اسلام کے لئے اس وقت اس سے بھی زیادہ خطرہ درپیش ہے۔ اس لئے اس کے دُور کرنے کے لئے ہمیں تو بہت ہی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور جو پہلی عداوتیں یا رنجشیں ہوں۔ ان کو بھی بھول جانا چاہیئے نہ کہ اور پیدا کرنی چاہئیں۔

پس اس بات کو خوب یاد رکھو۔ ہر ایک احمدی کا فرض ہے کہ وہ اپنی زبان اور ہاتھ کو سنبھال کر رکھے۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ ایسا تعلق ہو کہ جماعت میں لڑائی اور فساد کا نام تک نہ ہو۔ جب کوئی دیکھے کہ فلاں بات سے فلاں بھائی کی دلشکنی ہوتی ہے۔ تو زبان کو روکے۔ اور ہاتھ کو بند رکھے۔ حضرت مسیحؑ کہتے ہیں افسوس اس پر جو دوسرے کے لئے ٹھوکر کا موجب بنتا ہے۔ پس اگر کوئی ایسا کرتا ہے۔ تو اسے خوش نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ ایک دن وہ خود ٹھوکر کھائے گا۔

اس وقت اتحاد اور اتفاق کی سخت ضرورت ہے۔ اسی کے لئے خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو بھیجا۔ پس اب جو اتحاد کو توڑتا ہے وہ گویا مسیح موعودؑ کی بعثت کو عبث قرار دیتا ہے۔ اور آپ کے کام میں روکاوٹ ڈالنا چاہتا ہے۔ وہ رکاوٹ تو نہیں ڈال سکے گا۔ کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ سے خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میں تیری مدد کروں گا۔ ہاں وہ خود ذلیل اور رُسوا ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو سمجھ دے۔ تا ان کے آپس میں ایسے تعلقات اور رشتے ہوں جیسے سگے بھائیوں اور عزیزوں میں ہوتے ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بڑھ کر۔ اور خدا تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنے تمام جوشوں اور خواہشوں کو قربان کرنے کے لئے تیار رہیں تا خدا تعالیٰ کی مدد اور نصرت ان کے ساتھ ہو۔ اور وہ کامیاب ہوں۔

(الفضل ۹/۱۲ جون ۱۹۱۷ء)